(۳۱)

قربانی پیش کرنے کیلئے مشق ضروری ہے

(فرمودہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۷ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

جب بڑا کام کسی قوم کے سپرد کیا جاتا ہے اسی کے مطابق اس کو کام کیلئے قربانیاں کرنی پڑتی ہیں۔ بعض کاموں کی مشق خاص قربانیوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ جب تک اس قسم کی قربانیاں نہ کی جائیں وہ مشق نہیں ہوتی اور جو لوگ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ بغیر اس مشق کے جو اس کام کیلئے ضروری ہے وہ اس کام کے اہل ثابت ہو جائیں گے وہ قطعی طور پر ناواقف اور جاہل ہوتے ہیں۔ جب تک اس قسم کی قربانیوں میں سے نہ گزرا جائے اُس وقت تک ان کے کاموں کا بجالانا جن کیلئے ایک خاص قسم کی قربانیاں اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں ناممکن اور بالکل ناممکن ہے۔ ہماری جماعت کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے زمانے میں پیدا کیا ہے جبکہ زمانہ ظاہری طور پر پُر امن ہے۔ میں نے ظاہری طور پر پُر امن کے الفاظ اس لئے استعمال کئے ہیں کہ بِالعموم اس زمانہ میں عَلَی الْاِعْلَان لڑائیاں نہیں کی جاتیں۔ تلوار اور بندوق لے کر ایک ملک دوسرے ملک پر اور قومیں قوموں پر اور گھرانے گھرانوں پر حملہ نہیں کرتے، ورنہ ظلم اب بھی ہوتے ہیں، قتل اور خونریزیاں اب بھی ہوتی ہیں مگر ایک حد تک قانون ان کے رستہ میں روک بنا رہتا ہے۔ گو بعض جگہ قانون بھی ناکام رہتا ہے۔ کسی جگہ ایسا افسر آ جاتا ہے جسے ظالموں سے ہمدردی ہوتی ہے اور وہ درگزر سے کام لیتا ہے۔ کبھی کسی جگہ پولیس مقدمات کو خراب کر دیتی ہے گواہوں کو ڈرا دیتی ہے، بدلوا دیتی ہے، بھگا دیتی ہے، مگر یہ کوئی عام قانون نہیں۔ عام طور پر حکام لڑائیوں،

خونریزیوں اور قتلوں کے واقعات میں بے تعلق ہی رہتے ہیں۔ اس لئے ہم اسے پُرامن زمانہ کہتے ہیں۔ اور فساد کا زمانہ وہ ہوتا ہے جب کوئی حکومت امن قائم کرنے والی نہ ہو، کوئی قانون نہ ہو، جس کی مرضی ہو تلوار اُٹھا کر دوسرے کو قتل کر دے اور کوئی جھوٹے منہ بھی نہ پوچھے کہ تم نے ایسا کیوں کیا جیسے مکہ میں تھا۔ یہاں جب پولیس کسی کی رعایت بھی کرتی ہے تو کم سے کم بے تعلقی کا مظاہرہ ضرور کرتی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ مقدمہ کو کامیاب نہ ہونے دے۔ جیسے آجکل ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی احمدی پر ظلم یا تعدی کرنے کا کوئی مقدمہ ہو تو اکثر مجرم بری ہو جاتے ہیں۔ کبھی مجسٹریٹ کہتا ہے کہ پولیس کی غلطی تھی اور کبھی پولیس کہتی ہے کہ مجسٹریٹ نے غلطی کی مگر انصاف کرنے کی ایک نمائش ضرور ہوتی ہے۔ یہ تو نہیں ہوتا کہ کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ اس سے بھی ظالم اور شریر کو ڈر اور خوف ضرور لگا رہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے ممکن ہے مجسٹریٹ کے سامنے سچائی کُھل جائے۔ ممکن ہے اس دفعہ رعایت نہ کی جائے۔ ممکن ہے پولیس کے بالا افسر ہی توجہ کریں۔ اس لئے اسے ایک خوف ضرور لگا رہتا ہے۔ مگر جہاں یہ نمائش بھی نہ ہو وہاں کوئی خوف نہیں ہوتا لوگ عَلَی الْاِعْلَان اور دھڑلے سے ایسے کام کرتے ہیں اور کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ پھر جہاں نمائش ہو شریر کو یہ بھی خوف ہوتا ہے کہ زمانہ کے دَور بدلتے رہتے ہیں مثلاً ہمارے ہی متعلق دیکھ لو۔ بے شک اس وقت احرار اور دوسرے معاندوں کو حکومت کے بعض افسروں کی نگاہ میں وقار حاصل ہے اور وہ افسر تعصّب کی وجہ سے ہر احمدی کی روایت کو جھوٹا سمجھتے یا کم سے کم اسے جھوٹا قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، مگر کبھی اچھے افسروں کی کثرت آجاتی ہے جو انصاف کرتے ہیں۔ بِالعموم جہاں پولیس اور دوسرے افسروں کو کوئی خاص تعلق نہ ہو کوشش یہی کی جاتی ہے کہ انصاف ہو۔ اس لئے ایسے واقعات کثرت اور تواتر سے نہیں ہوتے اور اس وجہ سے ہم اس زمانہ کو پُرامن زمانہ کہتے ہیں۔ مگر جہاں نہ کوئی حکومت ہو، نہ قانون ہو، نہ پولیس ہو، کوئی قیامِ امن کی کوشش کرنے والا نہ ہو، اسے فساد کا علاقہ کہا جائے گا۔ اور ایسے علاقے جہاں کوئی حکومت نہ ہو یا جب کسی علاقہ کی حکومت کسی جماعت کو اپنی رعایا ہونے کے حقوق سے عملاً یا قانوناً محروم قرار دے دے وہاں قتل، خونریزیاں، فساد اور جنگیں بکثرت ہوتی ہیں اور لوگوں کو اِس قسم کی خونریزیوں کی برداشت کی عادت ہو جاتی ہے۔ لیکن جہاں ایسے واقعات بکثرت نہ ہوں وہاں ایسے واقعات پر لوگوں پر بڑی ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور قربانی کرنے سے لوگ ڈرتے ہیں۔

وسطی صدیوں میں یورپ میں مذہب کی خاطر بڑے قتل ہوتے تھے اور حکومتیں اس میں لذت حاصل کیا کرتی تھیں۔ اگر کیتھولک خیالات کے لوگوں کی حکومت ہوتی تو پروٹسٹنٹوں کو قتل کر دیا جاتا تھا اور پروٹسٹنٹوں کی حکومت ہوتی تو وہ کیتھولک فرقہ کے لوگ قتل کراتے تھے اور بعض جگہ ایک ایک دن میں چار چار پانچ پانچ سَو بلکہ ایک ایک ہزار تک لوگ قتل کر دیئے جاتے تھے۔ آگ جلا کر ماؤں، بہنوں، بیویوں اور بچوں کو زندہ اس میں ڈال دیا جاتا تھا اور لوگ سامنے کھڑے ہنستے رہتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ کوئی خاص بات ہی نہ تھی۔ اسی طرح مرنے والے بھی اس کی کوئی حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کے سامنے روزانہ یہی کام ہوتا تھا۔ جس فرقہ کو غلبہ حاصل ہو جاتا وہ دوسرے سے ایسا سلوک کرتا تھا۔ اور لوگوں کی ذہنیت ایسی ہوگئی تھی کہ جہاں قتل نہ ہوں لوگ شور مچا دیتے تھے کہ آج حکومت نے کوئی تماشہ نہیں دکھایا۔

آجکل سپین میں یہی حالت ہے۔ دو مختلف خیالات کے لوگ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ وہاں کے حالات کے متعلق مجھے ایک رپورٹ ملی تھی کہ ایک دن میڈرڈ میں صرف پچاس آدمی قتل ہوئے تو عورتوں نے شور مچا دیا کہ حکومت نے پبلک کی خیر خواہی کا آج کوئی کام نہیں کیا۔ کیونکہ جہاں روزانہ دو تین سَو قتل ہوتے تھے آج صرف پچاس ہوئے ہیں اور ایسے قتل کے جواز کیلئے کسی تحقیقات کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ کسی مشتبہ آدمی سے بات کرتا دیکھا گیا یا کوئی مشتبہ خط اس سے پکڑا گیا، اسی بات پر نہایت ظالمانہ طریق پر لوگوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ لِٹا کر آنکھیں نکال دی جاتی ہیں، مختلف اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہیں اور پھر ایسا کرنے والے ایسے ظالمانہ افعال پر خوش ہوتے ہیں اور قتل ہونے والے بھی خوش ہی ہوتے ہیں کیونکہ قتلوں کی عام مصیبت اور فتنہ کی وجہ سے عادت ہو جاتی ہے۔ وہ لوگ زندگی کی قدر ہی نہیں جانتے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر آج بچ گئے تو کل مارے جائیں گے۔ ان کا نقطۂ نگاہ ہی بدل جاتا ہے اور یہ لوگ ایسے ایسے سخت کام کر لیتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اور یہ عادت کی بات ہے۔

ایک دوست نے ایک اَور دوست کی نسبت جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص صحابی تھے سنایا کہ ان کے والد نے جو مظفر گڑھ کے علاقہ کے راجہ تھے، دربارِ کشمیر کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ اُس زمانہ میں انگریز نئے نئے آئے تھے اور سکھوں کا عہدِ حکومت قریب زمانہ میں ختم ہوا تھا اور ابھی حکومت کا پورا تصرف راجوں مہاراجوں پر نہ ہوا تھا، وہ خود بھی جنگیں کر لیتے تھے۔ اس جنگ میں اُن کو شکست

ہوئی اور مہاراجہ کشمیر نے اُن کو اُن کے علاقے سے جلا وطن کر کے حکم دیا کہ ہمیشہ مہاراجہ کے دربار میں رہا کریں۔ وہ بہت خوبصورت آدمی تھے۔ ایک دفعہ کسی حادثہ کی وجہ سے اُن کی کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ کسی جراح نے اُسے جوڑا، وہ جڑ تو گئی مگر ذرا ٹیڑھی جڑی۔ ایک دن وہ دربار میں بیٹھے تھے کہ مہاراجہ نے دریافت کیا کہ راجہ صاحب سنا ہے آپ کی کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی؟ انہوں نے کہا ہاں مہاراج ٹوٹ گئی تھی مگر اب ٹھیک ہوگئی ہے۔ مہاراجہ نے کہا مجھے بھی دکھاؤ اور دیکھ کر کہا کہ یہ جوڑ ٹھیک نہیں بیٹھا آپ بہت خوبصورت آدمی ہیں لیکن اس ٹیڑھی ہڈی نے آپ کے ہاتھ کو بدصورت بنا دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں مہاراج بات تو ٹھیک ہے مگر اب کیا ہوسکتا ہے۔ مہاراج نے کہا کہ آپ نے ہمیں کیوں نہ اطلاع دی، ہم سرکاری ڈاکٹر کو بھیج دیتے۔ وہ بہت ماہر ہے، ہڈی کو بالکل درست کر کے بٹھاتا اور یہ نقص نہ ہوتا۔ یہ سُن کر راجہ صاحب نے گھٹنا اوپر اُٹھایا اور کلائی کو اُس پر رکھ کر زور جو دیا تو ہڈی تڑاق سے ٹوٹ گئی۔ پھر بڑے اطمینان سے مہاراجہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا کہ لیجئے مہاراج! اب اپنے ڈاکٹر سے ہڈی جڑوا دیجئے۔ یہ دیکھ کر راجہ کو تو غش آنے لگا اور تمام دربار میں سناٹا چھا گیا۔ اب تم میں سے کون ہے جو اس قسم کا کام کر سکے۔ یقیناً کوئی نہیں اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ کسی کو ایسے ماحول میں رہنے کا موقع نہیں ملا۔ تمہاری نگاہ میں امن کی اتنی قدر ہے کہ کسی چیز کو اس کے مقابل پر کچھ سمجھتے ہی نہیں ہو۔ لیکن ان لوگوں کے نزدیک جن میں قتل وخونریزی کے واقعات کثرت اور تواتر سے ہوں زندگی کی کوئی قدر ہوتی ہی نہیں۔ اُس زمانہ میں بھی سپاہیوں کے نزدیک زندگی کی کوئی زیادہ قیمت نہیں ہوتی۔

جنگ عظیم میں شامل ہونے والے کئی سپاہیوں سے میں نے بات چیت کی ہے اور کئی یورپینوں کی کتابیں پڑھی ہیں، سب یہی بیان کرتے ہیں کہ پہلی گولی جب چلتی ہے تو اُس وقت بہادر سے بہادر آدمی بھی بُزدلی محسوس کرتا ہے اور چھپنا چاہتا ہے۔ لیکن آدھ یا پون گھنٹہ کے بعد حس ماری جاتی ہے اور خطرہ کا احساس بالکل مٹ جاتا ہے اور بعض لوگ ایسے ایسے خطرناک مقامات پر اکیلے چلے جاتے ہیں کہ دنیا سن کر حیران ہو جاتی ہے کہ ایسے خطرناک مقامات سے گزرے کس طرح اور بچے کس طرح۔ گولیاں چاروں طرف سے چل رہی ہوتی ہیں مگر انہیں احساس تک نہیں ہوتا۔ لیکن یہ اقرار ہر سپاہی کرتا ہے کہ جب شروع میں اُسے گولیوں کی بوچھاڑ کا سامنا ہوا تھا تو وہ ضرور خوفزدہ ہوگیا تھا۔ بڑے بڑے خطاب یافتہ اور انعام یافتہ بلکہ بہادری کا سب سے بڑا انعام یعنی وکٹوریا کراس حاصل کرنے

والوں کے اس قسم کے اقرار میں نے پڑھے ہیں کہ جب وہ پہلے جنگ میں شامل ہوئے تو انہوں نے اپنے دل کی حالت کو دیکھ کر محسوس کیا کہ وہ بُزدل ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ پہلے انہیں ایسے حالات کی عادت نہ تھی لیکن کچھ عرصہ ان حالات میں سے گزرے تو طبیعت میں جرأت پیدا ہوگئی۔

تو یہ بہادری بھی ایک حد تک مشق کا نتیجہ ہوتی ہے۔ سپاہی جنگ میں جاتا ہے اور اس کا دل مضبوط ہو جاتا ہے۔ تم نہیں جاتے اس لئے تمہارا دل ویسا مضبوط نہیں۔ ہم میں سے بہت اگر کسی کیلئے چھ ماہ قید کی سزا کا حکم سن لیں تو ان کا دل دھڑکنے لگتا ہے اور اس روز کھانا کھانے کو دل نہیں چاہتا۔ مگر مجسٹریٹ ہر روز سزائیں دیتا ہے بلکہ ایک دن میں مجموعی طور پر دس دس اور بیس بیس سال کی سزائیں دے دیتا ہے اور پھر گھر جا کر اطمینان سے کھانا کھاتا ہے اور ساتھ ساتھ لیکچر بھی دیتا جاتا ہے کہ یہ چیز اچھی پکی ہے اور یہ خراب ہے۔ اس سے بڑھ کر جلاّدوں کا حال ہے۔ بعض دفعہ تو جلاّد مرنے والے کو بعض خاص حالتوں میں دیکھ کر ہنس پڑتا ہے کہ اُس کا منہ یوں ہو گیا اور ٹانگیں یوں ہوگئیں حالانکہ دوسرے اُس وقت رو رہے ہوتے ہیں مگر جلاّد میں حس ہی نہیں ہوتی۔ پس عادات انسان کو کچھ کا کچھ بنا دیتی ہیں۔

ہمیں چونکہ امن کی عادت ہے اس لئے ہماری جماعت میں وہ قربانیاں جو پہلے انبیاء کی جماعتیں کرتی تھیں بالکل عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ گویا امن ہمارے لئے جہاں ترقی کا موجب ہے وہاں تنزّل کا باعث بھی ہے۔ امن ہونے کی وجہ سے تبلیغ میں بے شک زیادتی ہے جو پہلے زمانوں میں حاصل نہ تھی مگر قربانیوں میں کمی ہے جس سے پہلے لوگ بچے ہوئے تھے۔ جس شخص کو یہ یقین ہو کہ مال جو میرے پاس ہے دراصل میرا نہیں ممکن ہے اسے کل ہی ڈاکو لے جائیں یا حکومت ہی چھین لے وہ اگر نیک ہوگا تو خیال کرے گا کہ کیوں نہ اسے خدا تعالیٰ کے رستہ میں ہی دے دوں اور پہلے زمانوں میں لوگوں کی یہی کیفیت ہوتی تھی۔ مگر آج چونکہ یقین ہے کہ حکومت یونہی نہیں چھینے گی، حکومت اگر لے گی تو ٹیکسوں وغیرہ کے ذریعہ سے ہی لے گی۔ پھر ٹیکس ہر ایک پر نہیں لگے گا اور جس پر لگے گا ایک مقررہ شرح سے لگے گا اور ڈاکوؤں وغیرہ کے چھین کر لے جانے کا امکان بھی بہت کم ہے اس لئے ہر شخص سمجھتا ہے کہ یہ میرا مال ہے اور اس وجہ سے اس کی محبت اسے زیادہ ہوتی ہے۔

غرض پہلے زمانوں میں مال کے غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے لوگ اپنے مال کو خدا کا سمجھتے تھے مگر

آجکل محفوظ ہونے کی وجہ سے اسے اپنا سمجھتے ہیں۔اس لئے اس کی قربانی بھی دوبھر معلوم ہوتی ہے۔اسی طرح پہلے زمانوں میں لوگ سمجھتے تھے کہ اگر آج نہ مرے تو کل مرجائیں گے معلوم نہیں کس وقت ڈاکوؤں کے ہاتھ سے ہی موت آجائے یا حکومت ہی مذہبی اختلاف کی وجہ سے پھانسی پر لٹکا دے یا سنگسار کرادے یا کوئی دشمن ہی کسی وقت قتل کر دے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ ہماری زندگی آج بھی نہیں اور کل بھی نہیں اس لئے جواُن میں سے نیک ہوتے تھے کہتے تھے کہ کیوں نہ اسے خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیا جائے۔مگر اب چونکہ حکومت پُرامن ہے کسی کو پھانسی بھی دیا جائے تو قانون کے رُو سے دیا جاتا ہے اور یوں بھی قتل کے واقعات بہت کم ہوتے ہیں اس لئے خیال کیا جاتا ہے کہ جانیں ہماری ہیں اور ان کے دینے میں دریغ ہوتا ہے۔ پہلے زمانہ میں یہ خیال نہیں ہوسکتا تھا کہ ہماری جانیں ہماری اپنی ہیں۔ بلکہ یہی خیال ہوتا تھا کہ ہماری نہیں ہیں آج نہیں تو کل کوئی لے لے گا چلو خدا تعالیٰ کی راہ میں ہی دے دیں اور اس خطرہ کی حالت کا دل پر ایسا نقش ہوتا تھا کہ انہیں خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینا مشکل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں وطن چھوڑ دینے سے بھی دریغ نہیں ہوتا تھا۔کیونکہ ذرا سی بات پر ناراض ہوکر بادشاہ لوگوں کو وطن سے نکال دیتے تھے۔اس لئے لوگ کسی ملک کو اپنا وطن نہیں سمجھتے تھے۔

یہودیوں پر یورپین حکومتیں اس لئے ناراض رہتی ہیں کہ وہ ان کے ملک کو اپنا وطن سمجھتے ہی نہیں تھے۔حالانکہ ان میں یہ ذہنیت پیدا کرنے والی یہی حکومتیں ہیں جو ان پر ناراض ہوتی ہیں۔صدیوں سے ان کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا چلا آرہا ہے کہ انہوں نے اگر روس میں جائدادیں خریدیں، مکانات بنوائے اور وہاں آباد ہوئے تو کچھ عرصہ بعد بلا کسی سبب کے حکومت نے حکم دے دیا کہ یہاں سے نکل جاؤ۔ وہ وہاں سے نکل کر جرمنی میں گئے اور کچھ عرصہ کے بعد وہاں بھی وہی حال ہوا۔تیسرے ملک میں گئے تو وہاں بھی یہی سلوک ہوا۔اس وجہ سے قدرتی طور پر انہوں نے کسی ملک کو اپنا وطن نہیں سمجھا۔مغربی ممالک میں سے صرف امریکہ اور انگلستان ہی دو ایسے ملک ہیں جہاں سے وہ نکالے نہیں گئے باقی قریباً ہر جگہ سے ان کو نکال دیا جاتا رہا ہے اور اس وجہ سے وہ کسی ملک کو اپنا وطن سمجھتے ہی نہیں۔ جسے وطن سے نکلنے کی عادت ہو وہ کسی ملک کو وطن کیسے محسوس کرے گا۔

ایک انگریز انگلستان کو اور روسی روس کو اپنا ملک سمجھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس نے بھی اور اس کی نسلوں نے بھی وہیں رہنا ہے۔مگر جو جانتا ہے کہ میں نے یہاں رہنا نہیں، اگر میں نہیں تو میری

اولاد کو یہاں سے نکال دیا جائے گا، اس کے نزدیک وطن کی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی۔ اور یہودی چونکہ ہر وقت وطن کو چھوڑ دینے پر آمادہ رہتے ہیں اس لئے یورپین حکومتوں کو ان پر غصہ آتا ہے کہ یہ ہمارے وطن کو وطن نہیں سمجھتے۔ حالانکہ یہ ذہنیت ان حکومتوں نے ہی پیدا کی ہے۔ جو قوم ہمیشہ پا بہ رکاب رہے اس سے یہ امید کس طرح کی جاسکتی ہے کہ اس کے اندر حبّ وطن پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیوں کیلئے وطن کو ترک کردینا دوبھر نہیں ہوتا۔ جن قوموں کیلئے امن نہ ہو ان کیلئے وطن کی قربانی بھی آسان ہوتی ہے اور حقیقت یہی ہے کہ قربانیاں ہمیشہ مشقوں کے ساتھ آسان ہوتی ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ہم امن کے زمانہ میں بھی تم سے قربانیاں کراتے ہیں تا مشق ہوتی رہے۔ دن میں دو نمازیں ایسے وقت میں رکھی ہیں جبکہ ان کا ادا کرنا ایک تاجر کیلئے بہت مشکل ہوتا ہے۔ دوپہر کو اسے چند منٹ آرام کرنے اور حساب کتاب کیلئے ملتے ہیں، اُس وقت ظہر کی نماز رکھ دی۔ پھر عصر کے وقت گاہکوں کا زور ہوتا ہے اُس وقت بھی نماز حکم دے دیا۔ علاوہ ازیں شام کو کھاتہ بند کرنے اور حساب کتاب کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ عشاء کے وقت اُسے اپنا روپیہ محفوظ کرنے اور دُکان بند کرنے کا فکر ہوتا ہے۔ مگر ان سب وقتوں میں حکم ہے کہ چلو نماز پڑھو۔

یہی حال زمینداروں کا ہے اس کے کام میں بھی بظاہر بڑی روک ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ مشق کراتا ہے کیونکہ لڑائی کو ہمیشہ جاری رکھنا تو اپنے اختیار میں نہیں۔ پھر اسلام نے جارحانہ لڑائی کی سخت ممانعت کی ہے، ادھر مشق بھی ضروری ہے اس لئے اسلام نے پُرامن ذرائع مشق کیلئے رکھ دیئے۔ اگر تو اسلام میں جارحانہ لڑائی کی اجازت ہوتی تو یہ حکم دے دیا جاتا کہ جب بھی امن ہو کوئی چھوٹی موٹی لڑائی چھیڑ دیا کرو۔ مگر چونکہ یہ جائز نہیں اس لئے دوسرے ذرائع سے قربانی کی مشق کرائی اور حکم دیا کہ نمازیں پڑھو، حج کرو، زکوٰۃ دو، روزے رکھو۔ ان سے قربانی کی مشق ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً روزہ ہے اس سے گھر میں بیٹھے بیٹھے ہی سفر والی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر جس طرح لڑائیوں میں جاگنا اور فاقے کرنا پڑتا ہے اسی طرح اس میں ہوتا ہے اور لڑائی کی کیفیت ایک حد تک پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر مالوں کے نقصان برداشت کرنے کی مشق کرانے کیلئے زکوٰۃ اور صدقات ہیں۔ صدقات تو خیر حوادث کے وقت کیلئے ہیں مگر زکوٰۃ مستقل چیز ہے۔ پھر وطن چھوڑنے کی مشق کرانے کیلئے حج ہے۔ جو لوگ دس میل چلنے کے بھی عادی نہیں ہوتے۔ ان کے پاس روپیہ آیا تو ان پر حج فرض ہو جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مکہ جاؤ،

جہازوں میں اور خشکیوں پر سفر کی صعوبتیں برداشت کرو، غیر ملکی زبانیں بولنے والوں اور مختلف تمدن کے لوگوں سے ملو اور اس طرح وطن کی قربانی کی مشق کرو۔

پُرامن زمانہ میں پیدا ہونے والے نبیوں کو ادھر تو یہ حکم ہوتا ہے کہ جاکر لڑو اور دوسری طرف یہ کہ نہ لڑو۔ ایک طرف تو حکم ہوتا ہے کہ جاؤ اور دنیا میں تہلکہ مچادو، اور دوسری طرف یہ کہ امن نہ خراب کرنا۔ ایک طرف تو یہ حکم ہوتا ہے کہ خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو، اور دوسری طرف یہ کہ بادشاہ اور حکام سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ وہ دو کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں۔ ان کو یہ بھی حکم ہوتا ہے کہ دنیا کے ہر بڑے چھوٹے اور امیر غریب کے اخلاق کو درست کریں اور یہ بھی کہ بادشاہ اور حکام سے ملائمت اور نرمی سے بات کریں۔ ان سے لڑائی کی ساری کیفیات پیدا کرائی جاتی ہیں مگر پُرامن ذرائع سے۔ ان کیلئے جہاں یہ حکم ہوتا ہے کہ لڑائی کیلئے گھر سے نہ نکلو وہاں یہ بھی ہوتا ہے کہ تبلیغ کیلئے گھروں کو چھوڑ دو اور بغیر تلوار کے سب قوموں سے جنگ کرو۔ ان سے اپنے دل کی قربانی کرائی جاتی ہے اور ان کو یہ حکم ہوتا ہے کہ دوسرے کو نہیں بلکہ اپنے آپ کو مارو۔ جو انبیاء بغیر تلوار کے آتے ہیں ان کو یہی حکم ہوتا ہے کہ خود کو قتل کرو۔ جاؤ تبلیغ کرو، لوگ گالیاں دیں گے اُن کو سنو اور اپنے دلوں کا خون کرو۔ لوگ ماریں گے اور گھروں سے نکال دیں گے مگر تمہارے لئے یہی حکم ہے کہ تم ماریں کھاؤ اور گھروں سے نکل جاؤ۔ لیکن جو انبیاء پُرامن زمانہ میں پیدا نہیں ہوتے گو ان کو بھی پہلے ظلم برداشت کرنے کا ہی حکم ہوتا ہے مگر جب وہ ظلم ایک حد تک پہنچ جاتے ہیں تو ان کو خداتعالیٰ کی طرف سے اجازت ہو جاتی ہے کہ مقابلہ کرو۔ مگر جو نبی پُرامن زمانہ میں ہوتے ہیں ان کیلئے جنگ کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ یہی حکم ہوتا ہے کہ ظلم برداشت کرتے چلے جاؤ۔ بیشک یہ ظلم کے زمانے دورے کے ساتھ آتے ہیں کبھی ظلم زیادہ ہوتے ہیں اور کبھی کم کیونکہ خداتعالیٰ کا قانون یہی ہے۔ عورت کو دردِ زِہ ہوتا ہے مگر ہر شخص کو معلوم ہے کہ یکساں نہیں ہوتا۔ اٹھتا ہے اور رُکتا ہے۔ پھر اُٹھتا ہے پھر رُکتا ہے حتیٰ کہ انتہاء کو پہنچ جاتا ہے تو بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں کے سر میں آنکھ کی خرابی کی وجہ سے درد اُٹھتا ہے اور ٹیسیں پڑتی ہیں جنہیں پنجابی زبان میں ہُلیں کہتے ہیں۔ مگر اسی طرح کہ ٹیس پڑی اور رُک گئی پھر پڑی اور پھر رک گئی حتیٰ کہ جب آنکھ ماری جاتی ہے تو درد بھی بند ہو جاتا ہے۔ ہیضہ میں بھی دست اور قے مسلسل نہیں ہوتے بلکہ ہوتے ہیں اور رُک جاتے ہیں ہوتے ہیں اور رُک جاتے ہیں۔ بخار بھی ہر وقت یکساں نہیں ہوتا۔ چڑھتا ہے اور کم ہوتا ہے۔ پھر اُترتا ہے پھر

چڑھتا ہے۔ بارش ہوتی ہے اور تھم جاتی ہے۔ پھر ہوتی ہے اور تھم جاتی ہے۔ سورج چڑھتا ہے اور غروب ہو جاتا ہے۔ غرضکہ دُکھ ہو یا سُکھ اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ ان میں دورے ہوتے ہیں۔ یہی حال ابتلاؤں کا ہے اور یہی انعاموں کا۔ دشمن کبھی گالیاں بہت زیادہ دیتے ہیں اور کبھی خاموش ہو جاتے ہیں۔ پھر گالیاں دینے لگتے ہیں اور پھر چپ ہو جاتے ہیں۔ کبھی اتہامات لگاتے ہیں کبھی رُک جاتے ہیں۔ پھر اتہامات لگاتے ہیں پھر چپ ہو جاتے ہیں۔ رات اور دن کی طرح راحت اور تکلیف کے وقت آتے اور بڑھتے گھٹتے رہتے ہیں۔ جب تکلیف کا دَور آتا ہے وہ خود قربانیوں کو کھینچ لیتا ہے۔ مگر جب اس میں کمی ہو تو ہمارا فرض یہ ہونا چاہئے کہ ہم قربانیوں میں سُستی نہ کریں اور آئندہ حملہ کے مقابلہ کیلئے تیاری کرتے رہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے نیند کو سبات بنایا ہے[1] یعنی نئی تیاری کیلئے قویٰ کو آرام دیا جاتا ہے۔ گرمی کو ٹھنڈا کیا جاتا ہے تا انجمن پھر کام کر سکے۔ تو درمیانی وقفے اس لئے ہوتے ہیں کہ آئندہ حملے کیلئے تیاری کی جائے اور جو قومیں اس وقفہ میں سو جاتی ہیں وہ آئندہ حملہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا نہیں کر سکتیں۔ عقلمند فوج رات کو اس فصیل کی مرمت میں لگ جاتی ہے جو دن کے وقت دشمن کے حملہ سے ٹوٹ چکی ہو اور کوشش کرتی ہے کہ اسے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط کر دے۔ لیکن اگر یہ نہ ہو سکے تو رخنہ کو پُر کر دینے کی تو ضرور کوشش کرتی ہے۔ اگر ایسا نہ کرے تو دشمن اگلے روز حملہ کر کے اسے اور توڑ دے گا اور اسی طرح توڑتے توڑتے وہ قلعہ میں داخل ہو جائے گا۔ پس عقلمند فوج وہی ہے جو دن کو لڑائی اور رات کو مرمت کرتی ہے۔ اسی طرح ان درمیانی وقفوں میں جماعتوں سے یہی امید کی جاتی ہے کہ گزشتہ رخنوں کو بند کریں اور آئندہ کیلئے زیادہ سے زیادہ قربانی کریں۔ مجھے افسوس ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ زمانہ علمی زمانہ ہے اور روزانہ دلائل سنائے جاتے ہیں، پھر بھی جب کبھی کوئی راحت اور آرام کی گھڑی آ جائے لوگ سونا چاہتے ہیں۔

میرے ان خطبات کو نکال کر دیکھو جو تحریک جدید کی سکیم کو بیان کرتے ہوئے میں نے دیئے تھے۔ میں نے ان میں بتایا تھا کہ یہ ابتلا چھوٹے اور معمولی ہیں، ان کے بعد بڑے ابتلا آئیں گے۔ دیکھو اُس وقت کسے اس مصری، پیغامی، احراری فتنہ کی خبر تھی۔ مگر اُسی طرح ہوا جس طرح میں نے کہا تھا۔ اب بھی پھر میں یہی کہتا ہوں کہ یہ فتنے بھی معمولی ہیں۔ ان سے بھی بڑے ابھی آنے والے ہیں اور جب تک وہ نہ آئیں قوم بن ہی نہیں سکتی۔ جب تک ایسی دلیری ہمارے اندر پیدا نہ ہو جائے کہ اپنی جان دینا اور

اپنے مال اور وطن کو قربان کر دینا ہمارے لئے آسان ہو جائے اُس وقت تک یہ دَور برابر آتے رہیں گے۔ اب تو یہ حالت ہے کہ معمولی چوٹ پر بھی ہم میں سے بعض رونے لگتے ہیں۔ یاد رکھو کہ جب تک زندگی اور موت، غنا اور فقر، تنگی اور آسائش ہمارے لئے یکساں نہ ہوں جب تک ہمارے دن بھی راتیں اور راتیں بھی دن نہ ہو جائیں اُس وقت تک ہم اس آخری لڑائی کیلئے تیار نہیں ہو سکتے جو اسلام اور شیطان کے مَابَیْن مقدر ہے۔ اور ابھی تو ہم نفس کی لڑائی سے بھی فارغ نہیں ہوئے۔

تحریک جدید کے شروع میں ہی میں نے نصیحت کی تھی کہ ہمیں صداقت کا اعلیٰ ترین معیار قائم کرنا چاہیئے۔ مگر تم اپنے دلوں میں سوچو کہ کیا تم سچ بولتے ہو اور ہمیشہ سچ بولتے ہو۔ جب تک جماعت کی اکثریت ایسی نہ ہو جو سچ بولے اور ہر حالت میں سچ بولے اُس وقت تک ہم اس جنگ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے سچائی دے کر کھڑا کیا ہے۔ قرآن کریم کا نام بھی حق ہے اور اصل جہاد بھی وہی ہے جو قرآن کریم کو لے کر کیا جائے۔ جیسا کہ فرمایا وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيرًا[2] اور اصل جہاد اسی کا ہے جو قرآن کریم ہاتھ میں لے کر لڑتا ہے۔

بدر و حنین کی لڑائیاں معمولی تھیں۔ اصل لڑائی وہی تھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تلوار سے کی اور قرآن کریم نام ہے سچائی کا۔ جب تک تم اپنے نفسوں میں، اپنے بیوی بچوں میں، اپنے بیٹوں اور بیٹیوں میں، اپنے بھائیوں اور بہنوں میں اپنے محلّہ والوں میں اور اپنے ہمسایوں میں اپنے شاگردوں میں اور اپنے اپنے حلقہ کی جماعتوں میں سچائی کو قائم نہیں کر لیتے اُس وقت تک تم اس لڑائی کیلئے تیار نہیں ہو سکتے اور جب بھی مقابلہ ہوگا تم شکست کھاؤ گے۔ گو یہ علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اسے ظاہر نہ ہونے دیا۔ میں نے دیکھا ہے ذرا سی بات ہو تو بعض نادان کہنے لگ جاتے ہیں کہ آجکل سچ سے گزارہ نہیں ہوتا، جھوٹ بول دو اور اتنا بھی نہیں سوچتے کہ یہ تلقین کرتے ہوئے وہ نہ صرف اس شخص کو ہی بلکہ جماعت کو بھی ساتھ ہی قتل کر رہے ہیں۔ وہ شکایت کرتے ہیں کہ احراری حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں دیتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سوچتے کہ وہ تو گالیاں دیتے ہیں مگر یہ لوگ آپ کی تعلیم میں رخنہ ڈال کر آپ کے قتل کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ جو شخص اس چیز کو مٹاتا ہے جسے قائم کرنے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے وہ آپ کو قتل نہیں کرتا تو کیا کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے آپ کو سچائی پر قائم بتاتا ہے اور احمدیت کی فوج میں شامل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ غیر تو

اس واسطے آپ پر حملہ کرتا ہے کہ وہ آپ کو جھوٹا سمجھتا ہے لیکن یہ دوستی کا دم بھرتا ہوا آپ کے کام کو تباہ کرتا ہے۔ اس نے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا کہ آپ کی لائی ہوئی صداقتوں کو دنیا میں قائم کرنے میں مدد دے گا۔ لیکن جب پہلا ہی موقع ملا یہ اسی دیوار کو گرانے کیلئے کھڑا ہو گیا جو آپ نے تعمیر کی تھی۔

پس اچھی طرح یاد رکھو کہ احمدیت کی فتح سچائی سے ہوگی۔ جب تک تم سچائی پر اس طرح قائم نہ ہو جاؤ کہ کسی بات کے متعلق محض اس وجہ سے کہ وہ ایک احمدی نے کہی ہے قسم کھا سکو کہ سچ ہے اُس وقت تک تمہاری فتح نہیں ہو سکتی۔ یہ کافی نہیں کہ جب میں جگاؤں تم ہوشیار ہو جاؤ اور کچھ عرصہ بعد پھر سو جاؤ۔ اس طرح تو ایک افیونی بھی کر لیتا ہے۔ وہ بھی کسی نہ کسی وقت ہوشیار ہو جاتا ہے۔ تمہیں چاہئے کہ سچائی پر اس طرح قائم ہو جاؤ کہ کسی کے جگانے کی ضرورت ہی نہ رہے۔ میں نے بتایا تھا کہ ہمیں عقائد کے میدان میں جس طرح فتح حاصل ہو چکی ہے اس طرح اعمال کے میدان میں نہیں ہوئی۔ ہمارے اعمال کو دیکھ کر لوگ اتنے متأثر نہیں ہوتے جتنا عقائد سے متأثر ہوتے ہیں۔ وفاتِ مسیح کے دلائل سن کر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اس کا ہمارے پاس جواب نہیں۔ لیکن جب ہم اُن کو سچائی کی طرف بُلاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ اس پر تم بھی پوری طرح قائم نہیں ہو۔ قرآن کریم کے کامل ہونے کے جب دلائل دیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس کا جواب کوئی نہیں۔ لیکن جب امانت کا سبق دیتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ اس پر ابھی تم بھی قائم نہیں ہو۔ عقائد کے میدان میں ہم نے دشمن کو مار دیا ہے مگر جہاں عمل کا سوال ہو ہم میں سے بعض کمزوریوں سے وہ فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اگر جماعت کے دوست پختہ عہد کریں کریں جس طرح زبان دانتوں میں لے کر انسان تکلیف برداشت کرنے کیلئے آمادہ ہو جاتا ہے کہ آئندہ ہم استقلال پر قائم ہوں گے، سچائی پر قائم ہوں گے (دراصل سچائی پر قائم رہنے کا نام ہی استقلال ہے) تو عمل کے میدان میں بھی ہم اسی طرح غلبہ حاصل کر سکتے ہیں جس طرح عقائد کے میدان میں کیا ہے۔ صرف عہد کی ضرورت ہے۔ ہمیں صداقت پر اس طرح قائم ہونے کا عہد کرنا چاہئے کہ دشمن بھی محسوس کریں کہ ایک احمدی کے منہ سے نکلی ہوئی بات پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت میں ایسے نمونے ہیں کہ باہم لڑائی کے موقع پر دشمن کہہ دیتا ہے کہ جو بات فلاں احمدی کہے گا ہم مان لیں گے مگر ایسے نمونے کم ہیں۔ بہتوں کا چال چلن لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور بعض اپنے جھوٹ سے لوگوں

کیلئے ابتلا کا موجب بن رہے ہیں یا ابتلا کا موجب بننے کیلئے وہ تیار رہتے ہیں۔ گو ابھی تک ان کا گند ظاہر نہ ہوا ہو۔

دین کیلئے قربانیوں میں مَیں دیکھتا ہوں کہ بہت سُستی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے جماعت کے ساتھ نمازوں کی پابندی کی ہدایت کی تھی۔ باہر کا تو مجھے علم نہیں لیکن قادیان میں اس خطبہ کا دو چار ماہ تک اچھا اثر رہا مگر بعد میں پھر زائل ہو گیا۔ حالانکہ نماز تو ایسی ضروری چیز ہے کہ اگر خلافت بھی باقی نہ رہے تب بھی اس کی پابندی لازمی ہے۔ آدمی جنگل میں ہو تب بھی اسے نہیں چھوڑا جا سکتا اور سمندر میں ہو تب بھی نہیں۔ یہ مستقل ہدایت ہے جسے کسی جگہ بھی چھوڑنے کی اجازت نہیں۔

پھر میں نے سچائی کی ہدایت کی تھی۔ اس کا بھی کچھ عرصہ خیال رہا۔ دوستوں نے ایک دوسرے کی نگرانی شروع کی، ایک دوسرے کو سنبھالنے لگے مگر کچھ عرصہ کے بعد بھول گئے۔

اسی طرح تحریک جدید کے وعدے ہیں۔ گزشتہ دنوں ''الفضل'' کو ایک مستقل نوٹ لکھ کر دے دیا تھا کہ شائع ہوتا رہے۔ اس کے نتیجہ میں پندرہ روز تک تو آمد قریباً دُگنی ہو گئی لیکن پھر سُستی پیدا ہونے لگی۔ حالانکہ تحریک جدید کوئی پہلی دفعہ نہ ہوئی تھی یا اس میں چندوں کے وعدے جبراً نہ لئے گئے تھے۔ دوستوں نے اپنی مرضی سے وعدے کئے تھے۔ پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ ادا کرنے کیلئے میری طرف سے یاددہانیوں کے منتظر رہیں۔

اسی طرح ناظر صاحب بیت المال نے مجھے کہا کہ چندہ جلسہ سالانہ کیلئے تحریک کر دوں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اس تحریک کی ضرورت ہی کیوں سمجھی جاتی ہے۔ کیا جلسہ پہلی دفعہ آیا ہے؟ یہ جلسہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قائم کیا ہوا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک حصہ جماعت کا اس امر کا محتاج ہے کہ میں کہوں تو وہ اس کیلئے چندہ دیں۔ کیا وہ خدا کے حضور پیش ہونے والے نہیں؟ پھر کیوں وہ وعدے کر کے پورے نہیں کرتے اور کیوں اس تحریک میں بھی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے سالہا سال سے قائم ہے میری تحریک کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ یہ عدمِ استقلال کا ثبوت ہے۔ اگر تم جیتنا چاہتے ہو تو اپنے اندر استقلال پیدا کرو۔ سچائی پیدا کرو اور امانت پیدا کرو۔ پھر دیکھو دشمن تم سے کس طرح خوف کھاتا ہے۔

دشمن ہمیشہ دو چیزوں سے ڈرتا ہے۔ یا طاقت سے اور یا پھر اعلیٰ درجہ کی نیکی سے۔ جب کوئی

قوم کسی بات پر ہٹ کر کے قائم ہو جاتی ہے تو لوگ اس سے ڈرنے لگتے ہیں۔ ابھی دیکھ لو لاہور میں مذبح کی تعمیر کا سوال تھا۔ گورنمنٹ نے پچاس لاکھ روپیہ کا نقصان اُٹھا کر اس کی تعمیر رُوک دی ہے۔ حالانکہ اگر ہندو، سکھ، مسلمان، عیسائی سب مل کر ایک وفد حکومت کے پاس لے جائیں کہ ہماری کسی یونیورسٹی کو پچاس لاکھ کی امداد دی جائے تو حکومت کبھی اس بات کو تسلیم نہ کرے گی۔ پہلے اس مذبح کی تعمیر کو رُکوانے کیلئے جب ہندوؤں نے کوشش کی تو انگریزوں نے یہی جواب دیا کہ اس میں تمہارا فائدہ ہے نقصان نہیں۔ مگر انہوں نے کہا کہ ہمیں اس فائدہ کی ضرورت نہیں اور اس کے خلاف ایجی ٹیشن کیلئے زبردست تیاریاں شروع کر دیں۔ حتّٰی کہ ایسے ایسے ہندو جو حکومت کے وزراء رہ چکے ہیں انہوں نے بھی اپنے نام جتھوں میں جانے کیلئے پیش کر دیئے۔ تو وائسرائے نے چپکے سے اعلان کر دیا کہ چونکہ اِس سے ہندوؤں کی دل آزاری ہوتی ہے ہم اس سکیم کو واپس لیتے ہیں۔ یہ استقلال کا نتیجہ تھا اور اسی کی بدولت ہندوؤں کو یہ فتح حاصل ہوئی۔ ایسا اعلان کیوں نہ وائسرائے نے پہلے ہی دن کر دیا۔ کیا پہلے انہیں علم نہ تھا کہ اس سے ہندوؤں کی دلآزاری ہوگی۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ انہیں پہلے علم نہ تھا وہ غلط کہتا ہے، یقیناً انہیں اس کا علم تھا۔ ہاں یہ علم انہیں پہلے نہ تھا کہ ہندو اس مذبح کا مقابلہ کرنے کیلئے اس طرح لڑنے مرنے کو تیار ہو جائیں گے۔

پس جو قوم استقلال کے ساتھ کھڑی ہو جائے اُس سے سب ڈرتے ہیں اور جب کوئی قوم صداقت پر قائم ہو جائے تو لوگ اس کی طرف رغبت کرتے ہیں۔ مجھے تو غیرت آتی ہے کہ ہندو ایک جانور کیلئے اور ایسے جانور کیلئے جسے وہ مارتے کوٹتے بھی ہیں، اُس کا دودھ بھی دوہتے ہیں، ان میں سے بعض اس کے چمڑے کی تجارت بھی کرتے ہیں، وہ قربانی کرتے ہیں جو ہم میں سے بعض خدا اور رسول کیلئے نہیں کرتے۔ ہندو گائے کیلئے کھڑے ہوئے اور استقلال کے ساتھ کھڑے ہوئے تو حکومت نے اپنا پچاس لاکھ کا نقصان کر کے ان کی بات کو مان لیا۔ پھر کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر تم خدا اور اس کے رسول کے لئے کھڑے ہو جاؤ تو لوگ تم کو فنا کر دیں گے۔ یاد رکھو کہ جو مرنے کیلئے تیار ہو جائے اُسے کوئی نہیں مار سکتا۔ لوگ بھی اُسی پر زور ڈالتے ہیں جس کا اپنا دل ڈرتا ہو۔ اگر تم استقلال کے ساتھ اسلام کی اشاعت میں لگ جاؤ اور اس کام میں کوئی سُستی اور غفلت نہ کرو تو کوئی نہیں جو تمہارے مقابل پر کھڑا ہو سکے۔ بلکہ ہر دشمن خود تم سے مرعوب ہوگا اور تمہاری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے والے کا دل خود بخود کانپنے لگے گا اور

وہ خود محسوس کرنے لگے گا کہ ان کو مَیں موت سے کیا ڈراؤں یہ تو خدا کی راہ میں پہلے ہی مر چکے ہیں۔
(الفضل یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء)

۱؎ وجعلنا نومكم سباتا (النبأ:۱۰)

۲؎ الفرقان: ۵۳